اسلامی تحریک میں کارکنوں کے باہمی تعلقات

یہ ایک طویل مگر مفید مقالہ ہے جسے اسلامی جمعیتِ طلبہ پاکستان نے اپنے کارکنوں کی رہنمائی اور تربیت کی غرض سے مرتب کیا ہے۔ اس میں بہت محنت کے ساتھ مواد متعلقہ کو کتاب و سنت سے جمع کرکے سمونے کی کوشش کی گئی ہے۔ دینِ حق کے پیروکاروں اور تحریکِ اسلامی کے خدمت گزاروں کو ان شاء اللہ اس بحث سے بہت مدد اور روشنی حاصل ہوگی۔

اسلامی تحریک ایک اجتماعی انقلاب کی داعی ہوتی ہے۔ اس لیے اس کا یہ فریضہ بالکل اولین اہمیت کا حامل ہے کہ وہ اپنے کارکنوں کو عام طور پر تمام انسانوں سے اور خاص طور پر باہم ایک دوسرے کے ساتھ صحیح بنیادوں پر مربوط کر دے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کے باہمی تعلقات کو قرآن اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ

اگرچہ بظاہر یہ صرف تین الفاظ کا ایک مختصر سا فقرہ ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ باہمی تعلقات کی بنیاد، اصولی حیثیت، اہمیت اور گہرائی ظاہر کرنے کے لیے یہ بالکل کافی ہے اور اس معاملے میں اسے ایک اسلامی تحریک کے چارٹر کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔

اس سے ایک طرف تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تحریک میں افراد کا باہم دگر رشتہ ایک اصولی رشتہ ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ اور فکر کی یگانگت کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ اور نصب العین کی یکسانیت اس کی بنیاد بنتی ہے یعنی یہ ایمان کا اشتراک ہوتا ہے جو اس میں رنگ بھرتا ہے اور دوسری طرف یہ کہ اصولی رشتہ ہونے کی بنا پر یہ کوئی روکھا سوکھا رشتہ نہیں ہوتا بلکہ اس میں جو استحکام، گہرائی اور شدید محبت ہوتی

ہوتی ہے اس کو صرف دو بھائیوں کا باہمی تعلق ہی ظاہر کر سکتا ہے اور یہی تعلق ہے جو اخوت کہلاتا ہے۔ ایک اصولی رشتے کو اسلام جو وسعت و استحکام اور جذبات بخشتا ہے اس کی ترجمانی کے لیے "اخوۃ" سے بہتر اور کیا لفظ ہو سکتا تھا۔

اسلامی تہذیب میں ایمان کا تصور صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ انسان چند مابعد الطبعی حقائق کا اقرار کرلے اور بس۔ بلکہ یہ ایک ہمہ گیر حیثیت کا حامل ہے۔ یہ ایک عقیدہ ہے جو قلب پر چھا جاتا ہے اور رگوں میں خون کی طرح گردش کرنے لگتا ہے۔ ایک جذبہ ہے جو سینہ کو مضطرب و متلاطم رکھتا ہے۔ ایک فکر ہے جو ذہن و دماغ کا سانچہ ہی بدل دیتا ہے۔ ایک عملی نظام کی قوت نافذہ ہے جو تمام اعضا و جوارح کو اپنے تسلط میں لے کر پوری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں انقلاب لے آتی ہے جو ایمان اتنا وسیع الاثر ہو اس کی گرفت سے انسانوں کے باہمی تعلقات کس طرح آزاد ہو سکتے ہیں جب کہ یہ حقیقت ہے کہ انسان کی پوری زندگی سوائے ایک بہت معمولی جزو کے عبارت ہے انسان اور انسان کے باہمی تعلقات سے۔ اس لیے یہ ایمان اپنے ماننے والوں کو تمام انسانوں سے عموماً اور ایک دوسرے سے خصوصاً تعلقات قائم کرنے کی ہدایت کرتا ہے اور پھر ایک طرف ان تعلقات کو عدل و احسان کی بنیاد پر قائم کرنے کے لیے وہ ایک اجتماعی نظام حیات اور ایک تہذیب کی صورت گری کرتا ہے اور دوسری طرف حقوق و فضائل پر مشتمل ایک ضابطہ تجویز کرکے دیتا ہے، تاکہ ہر فرد اپنے اپنے مقام پر اس کو عمل میں لائے اور اس طرح جو لوگ رشتۂ ایمان میں منسلک ہوں وہ ایک دوسرے سے اس طرح جڑ جائیں جیسے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ سے جڑ جاتی ہیں۔ یا جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی سے جڑا ہوتا ہے۔ اور یہ اس ایمان کی اصولی حیثیت کا لازمی تقاضا ہے جس کے لیے انسانی فطرت مطالبہ کرتی ہے اور جس پر عقل شہادت دیتی ہے۔

جو لوگ ہر رنگ اُتار کر صرف اللہ کے رنگ میں رنگ جاتے ہیں، تمام اطاعتیں ترک کرکے صرف اللہ کی اطاعت کرتے ہیں ہر باطل سے کٹ کر صرف حق سے جڑ جاتے ہیں اور صرف اللہ کے لیے یکسو ہو جاتے ہیں وہ بھی اگر ایک دوسرے سے مربوط نہ ہوں گے، متعلق نہ ہوں گے اور محبت کے تعلقات قائم نہ کریں گے تو پھر کون کرے گا۔ نصب العین کے لیے یکسوئی سے زیادہ بڑی کون سی قوت ہے جو انسان کو انسان سے

جوڑ سکتی ہو۔ اس یکسوئی کا ایک ایک تقاضا اور راہِ حق کی ایک ایک منزل اس تعلق کو ایک زندہ حقیقت میں تبدیل کرتی چلی جاتی ہے۔ جو آدمی صرف حق کے لیے خود کو وقف کر دے پھر وہ اس راہ پر چلنے والوں میں سے ایک ایک کی محبت، ہمدردی، تسلّی اور سہارے کا ضرورت مند اور محتاج ہوتا ہے اور اگر اس راستے پر اسے یہ نعمت بھی نہ ملے تو یہ اتنی بڑی کمی ہوگی کہ جس کی تلافی کسی طرح بھی ممکن نہ ہوگی۔

اس دنیا میں ایمان کا اصل مقصد ــــ یعنی عالمگیر اسلامی انقلاب اور اسلامی تہذیب کا قیام خود ایک انتہائی مستحکم اور برادرانہ تعلق کا تقاضا کرتا ہے۔ اس مقصد کا حصول کوئی آسان کام نہیں یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنے کے مترادف ہے۔ جہاں قدم قدم پر مصائب کی آندھیاں اٹھتی ہیں اور آزمائشوں کے سیلاب آتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس گراں بار ذمہ داری کی ادائیگی کے لیے ایک ایک فرد کی رفاقت انتہائی قیمتی ہے جس کا فقدان کسی قیمت پر برداشت نہیں کیا جا سکتا خصوصاً جب کہ یہ بھی معلوم ہو کہ قلتِ اعوان و انصار اس راہ کا ایک کلیہ ہے۔

پھر کوئی اجتماعی انقلاب بغیر ایک منظم اور طاقتور جماعت کے ظہور پذیر نہیں ہو سکتا اور ایک منظم اور طاقتور جماعت اس وقت وجود میں آتی ہے جب اس کے افراد ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہوں جب ہی اس مقصد کے لیے اتنے منظم طریقے پر جدوجہد کی جا سکتی ہے جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ (کَاَنَّھُمْ بُنْیَانٌ مَّرْصُوْصٌ) جس میں کہیں رخنہ اور انتشار کو راہ نہ ملے۔ اور ایسی منظم جدوجہد ہی کامیابی کی ضامن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران میں ایک نوزائیدہ اسلامی ریاست کے چلانے والوں کو اس ربط کی ہدایت اس طرح کی ہے :۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝

سورۂ انفال کے آخر میں اسلامی انقلاب کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کے باہمی تعلقات کو اس کے لیے ایک لازمی شرط کے طور پر سامنے رکھا گیا ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جو لوگ اس دین پر ایمان لائیں اس کی خاطر ہر چیز ترک کر دیں اور اس جدوجہد میں اپنے سر دھڑ کی بازی لگا دیں ان کا رشتہ ایک دوسرے کے

ساتھ لازماً دوستی و محبت کا رشتہ ہے اور اس رشتے کے لیے یہاں ولایت کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے :-

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ (انفال)

اور اس سے آگے چل کر کفار کی تنظیم، اشتراک اور ان کی جماعتی قوت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ رشتہ ولایت پیدا نہ کیا تو عدل و احسان اور خدا پرستی کی بنیاد پر ایک عالمگیر اسلامی انقلاب کی تمنا کبھی ٹھوس زمین پر جڑ نہ پکڑ سکے گی اور نتیجۃً خدا کی یہ زمین فتنہ و فساد سے بھر جائے گی کیونکہ مسلمان بغیر اس رشتہ ولایت کے انقلاب کی مخالف طاقتوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۚ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ (انفال)

اور ظاہر ہے کہ اسلامی تہذیب کے قیام اور اسلامی انقلاب کے لیے یہ جدوجہد ہی ایمان کا اصل معیار ہے :-

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ۝ (انفال)

اور اس کے کچھ ہی پیشتر اللہ تعالیٰ نے مخالفین کی تدابیر کے مقابلے میں اپنی نصرت کے وعدہ کے ساتھ ساتھ جس چیز سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی ہے وہ مومنین کی جماعت ہے کہ جس کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جوڑ دیا ہے اور جو اسلامی انقلاب کی ضمانت ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ (انفال)

اسلامی انقلاب کے داعیوں کا یہ باہمی تعلق اخوت کا تعلق ہے، ولایت کا تعلق ہے، رحمت کا تعلق ہے اور محبت کا تعلق ہے لیکن اخوت کا لفظ بڑا ہمہ گیر ہے جو اپنے دامن میں سب کچھ سمیٹ لیتا ہے۔ اسلامی تحریک کے کارکنوں کو آپس میں اس طرح جڑنا چاہیے جس طرح دو بھائی جڑے ہوتے ہیں جس طرح

دو بھائیوں کا رشتہ ایک ناقابلِ شکست رشتہ ہوتا ہے اور وہ اپنے درمیان کوئی اختلاف، تفرقہ، فساد یا انتشار برداشت نہیں کرسکتے۔ جس طرح وہ ایک دوسرے کے لیے اپنا سب کچھ نثار کر دینے کے لیے تیار ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خیر خواہی اعانت اور مدد میں لگے رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے پشت پناہ اور سہارا بنتے ہیں۔ جس طرح وہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اور اپنے معاملات میں پورے اعتماد کے ساتھ ایک دوسرے کو شریک کرتے ہیں اور جس طرح ان کے درمیان ایک شدید جذبۂ محبت ہوتا ہے جو ان کے سینوں میں موج زن رہتا ہے اور ان کے دلوں کو حرارت بخشتا ہے ٹھیک اسی طرح راہِ حق کے ان مسافروں کا تعلق ہوتا ہے جو دین کے لیے اپنا پورا سرمایۂ زندگی لگا دیتے ہیں۔ جسے اسلامی انقلاب سے جتنی گہری لگن ہوگی وہ اتنا ہی گہرا تعلق اپنے ساتھی سے قائم کرے گا اور جسے جتنا زیادہ یہ مقصد عزیز ہوگا اسے اتنا ہی یہ تعلق عزیز ہوگا۔ کیونکہ یہ تعلق خالصتاً للہ اور فی اللہ ہوتا ہے۔ صرف اللہ کے لیے اور صرف اللہ کی راہ میں جو شخص اسلامی انقلاب کا سرگرم داعی ہو اور پھر اس کا تعلق اپنے ساتھیوں سے ایسا ہو جیسا راہ چلتے اجنبی سے تو اسے اپنے بارے میں غور کرنا چاہیے کہ وہ کس راہ پر چل رہا ہے اور اگر اسے اپنے ان ساتھیوں سے تعلق کی بس اتنی ہی قدر ہو جتنی اس گرد کی جو آدمی اپنے اوپر سے جھاڑ دیتا ہے تو پھر اسے سوچنا پڑے گا کہ اس کے دل میں خود اس مقصد کی کتنی قدر ہے جس کی محبت کا وہ دعویٰ کرتا ہے۔

اخوت کا یہ وہ تعلق ہے جس کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "الحُبُّ لِلّٰہ" کی پاکیزہ جامع اور قلب کو مسخر کر دینے والی اصطلاح استعمال کی ہے۔ محبت خود ایک بڑی پُرکشش اور شیریں اصطلاح ہے۔ اور پھر للہ اور فی اللہ کی قید اسے تمام آلودگیوں اور ناگواریوں سے پاک کر کے رفعت کے انتہائی درجات تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اس طرح یہ اصطلاح بیک وقت عقل اور دل کو وہ پیمانہ دیتی ہے جس پر ہر مومن اپنے تعلق کو ناپ سکتا ہے۔

اللہ پر ایمان کا اور اس کی راہ میں محبت کا بالکل لازم و ملزوم کا سا تعلق ہے۔ جہاں ایک چیز ہوگی، وہاں دوسری بھی موجود ہوگی۔ ایک نہ ہوگی تو دوسری بھی مشکوک ہوگی۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے

ایک جگہ اس کا اظہار یوں کیا کہ:۔

لَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰی تَحَابُّوْا

(عن ابی ھریرۃ فی المسلم۔ بحوالہ م ۳۹۷)

تم اُس وقت تک مومن نہ ہوگے جب تک آپس میں ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔

اور پھر پورے تعلقات کو اس بنیاد پر قائم کرنے اور اپنی محبت اور دشمنی کو اللہ کے لیے خالص کر لینے کو تکمیلِ ایمان کی شرط ٹھیرایا:۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبْغَضَ لِلّٰہِ وَ اَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ

جس نے محبت کی تو صرف اللہ کے لیے اور دشمنی کی تو صرف اللہ کے لیے، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور روکا تو اللہ کے لیے اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔

دوستیاں اور دشمنیاں انسان کی زندگی پر واقعی اس طرح اثر انداز ہوتی ہیں کہ ان کا اللہ کے لیے خالص کر لینا تکمیلِ ایمان کے لیے اگر ضروری شرط ٹھیرایا گیا ہے تو بالکل منطقی اور بدیہی بات ہے۔ ایمان کی بہت ساری شاخیں ہیں ہر شاخ اپنی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے۔ اللہ کے لیے محبت ایک معاشرہ کے استحکام اور حسن و جمال کے لیے اور اسلامی انقلاب کے لیے ایک منظم طاقت بروئے کار لانے کے لیے جس طرح ضروری ہے اس کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ایک جگہ تمام اعمال سے افضل قرار دیا۔ حضرت ابو ذر رض روایت کرتے ہیں کہ:۔

خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ قَائِلٌ الصَّلٰوۃ وَ الزَّکٰوۃ وَقَالَ قَائِلٌ الْجِهَادَ۔ قَالَ النَّبِی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ الْاَعْمَالِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَ الْبُغْضُ لِلّٰہِ

ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آئے اور پوچھا کیا جانتے ہو اعمال میں سے کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ کسی نے نماز و زکوٰۃ کو کہا اور کسی نے جہاد کو۔ آپ نے فرمایا کہ صرف اللہ کے لیے محبت اور اللہ کے لیے دشمنی، اللہ کے نزدیک تمام اعمال میں محبوب ترین ہے۔

(ابی داود)

پھر ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؐ نے سوال کیا کہ :-

ای عُرَی الایمان اوثق ۔ قال اللّٰہ و رسولہ اعلم ۔ قال الموالاۃ فی اللّٰہ و الحب للّٰہ و البغض للّٰہ ۔ (بیہقی)

ایمان کی کون سی کڑی مضبوط ترین ہے؟ جواب دیا کہ خدا اور اس کا رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ آپؐ نے کہا اللہ کی راہ میں دوستی اور اس کی راہ میں محبت و دشمنی۔

عُرٰی حلقہ کو بھی کہتے ہیں اور اس درخت کو بھی جس کے پتے خزاں میں نہیں جھڑتے اور برتنوں کے دستہ کو بھی کہتے ہیں جس کو پکڑ کر برتن اٹھایا جاتا ہے۔ یعنی یہ اللہ کی راہ میں محبت وہ مضبوط سہارا ہے جس کے بل پر آدمی ایمان کے تقاضے پورے کر سکتا ہے۔ ایسا سہارا جو کبھی نہ ٹوٹ سکتا ہے اور نہ دھوکا دے سکتا ہے۔

بات یہ ہے کہ ایمان آدمی کی پوری زندگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ یعنی زندگی کا ہر لمحہ اس وقت تک جب تک کہ جسم میں سانس آ رہا ہے اور جا رہا ہے ایمان کے تقاضوں کے مطابق گذرنا چاہیے۔ زندگی میں اتنی وسعت کے ساتھ عمل صالح اس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتا جب تک کہ مومن کے تعلقات اللہ کے لیے محبت کے تعلقات نہ ہوں، اس لیے بھی کہ تعلقات آدمی کی زندگی کا بہت بڑا حصہ ہیں۔ اور اس لیے بھی کہ یہ تعلقات اس کی زندگی کو لازماً متاثر کرتے ہیں اور ایک طرح اس کی دوستیاں اس کے دین کا معیار بن جاتی ہیں۔ چنانچہ ایک طرف تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نصیحت کرتا ہے کہ اپنے نفس و ذات کو ان لوگوں کے ساتھ باندھیں جن کی زندگیوں میں خدا کی یاد رچی بسی ہوئی ہو۔ اور اس کے لیے صبر کا لفظ استعمال کرتا ہے تاکہ وہ حق کی راہ پر چل سکیں اور ساتھ ہی اپنی نظروں کو دنیوی ساز و سامان اور آرائش سے متاثر ہو کر بھٹکنے نہ دیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہف ۲۸)

اور اپنی ذات کو ان لوگوں کے ساتھ ٹھیراؤ جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اس کی خوشنودی کے طالب ہیں اور دنیوی زندگی کی زینت کی خواستگاری ہیں تمہاری نگاہیں ان سے ہٹ کر ادھر نہ دوڑیں۔

اور دوسری طرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم متنبہ کرتے ہیں کہ انسان اپنی دوستی کے تعلقات سوچ سمجھ کر قائم کرے اس لیے کہ :-

اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِهٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ — آدمی اپنے خلیل کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک سوچ سمجھ لے کہ وہ اپنا خلیل کس کو بناتا ہے۔

(احمد و ترمذی و ابوداؤد و بیہقی) (عن ابی ہریرۃ رض)

خلیل کا لفظ خُلّت سے نکلا ہے جس سے مراد ایسی محبت اور خلوص ہے جو دل میں اتر کر رچ بس جائے۔ اچھے اور برے لوگوں کی محبت اور صحبت کی ایک عمدہ تمثیل حدیث میں بیان ہوئی ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ اچھی صحبت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عطر فروش کی ہم نشینی کی جائے۔ اگر عطر نہ بھی ملے تب بھی خوشبو سے تو دل و دماغ تر و تازہ ہوگا۔ اور بری صحبت کو لوہار کی دکان سے تشبیہ دی گئی ہے، جس میں اگر کپڑے جلنے سے بچ گئے، تب بھی کالک اور دھواں تو طبیعت کو پراگندہ کرے گا ہی۔

ایمان کا ایک اسٹیج وہ ہوتا ہے جب آدمی خود ایمان اور ایمان کے عملی مطالبات کی ادائیگی میں بھی ایک خاص لذت اور کیف و سرور محسوس کرتا ہے اور پھر عمل صالح کا مطالبہ اس لذت کی وجہ سے آدمی کے اندر سے اٹھتا ہے۔ اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلاوتِ ایمان سے تعبیر کیا ہے اور اس کی تین شرائط بیان کرتے ہوئے اس میں ایک چیز یہ بھی رکھی ہے کہ :-

اَنْ یُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا یُحِبُّهٗ اِلَّا اللّٰهِ — کہ وہ آدمی سے محبت کرے اور یہ محبت سوائے اللہ کے کسی اور کے لیے نہ ہو۔

ایک غلام اور بندہ کو اپنے آقا و مالک کی محبت اگر نصیب ہو جائے تو اس سے بڑھ کر اس کی اور کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔

ایک مومن کو اگر اللہ کی محبت مل جائے تو اس کی اس دولت کا بدل اس کو کیا مل سکتا ہے۔ یہ وہ محبت ہے جو ایک مومن کی معراج ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو بتاتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کے لیے ایک دوسرے سے تعلقاتِ اخوت قائم کریں وہ اس نعمتِ عظمیٰ کے مستحق ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رض

یہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ :-

سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فی والمتجالسین فی والمتزاورین فی والمتباذلین فی۔	میری محبت ان لوگوں کے لیے واجب ہوگی جو میرے لیے آپس میں محبت کریں، ساتھ مل کر بیٹھیں، ایک دوسرے سے ملنے جائیں اور ایک دوسرے پر مال خرچ کریں۔

دنیوی زندگی میں تو اللہ کے لیے محبت کے یہ سب کچھ نتائج ہیں ہی لیکن آخرت میں جب آدمی کے لیے ایک ایک عمل قیمتی ہوگا اور ایک کھجور کا صدقہ اور ایک اچھی بات بھی اس کے لیے بڑا غنیمت ہے اس وقت یہ تعلق ایک مومن کے لیے انتہائی بلند درجات کا موجب ہوگا اور اسلامی انقلاب کے ضمن میں اس تعلق کی اہمیت پر جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس کے پیش نظر یہ بالکل فطری اور لازمی بات ہے۔

اُس دن کسی آدمی کو دوسرے کا ہوش نہ ہوگا۔ آدمی اپنے ماں باپ بھائی بہن بیوی بچے سب سے دور بھاگے گا۔ آگ سے بچنے کی خاطر ان سب کو فدیہ میں دے دینے کو تیار ہوگا۔ دوستی کی تمام حقیقتیں کھل جائیں گی اور دوست دوست کا دشمن ہو جائے گا۔ وہی دوست جن کی محبتیں دنیا میں دل و دماغ میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ لیکن صرف متقین ہوں گے جن کی دوستیاں وہاں قائم رہیں گی اس لیے کہ اس نازک مرحلہ میں یہ معلوم ہوگا اور اس کا صحیح احساس و اندازہ ہوگا کہ دنیا میں ان دوستیوں نے کیا کچھ بخشا جو آج کام آرہا ہے۔

الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین ○ یعباد لا خوف علیکم الیوم ولا انتم تحزنون ○	جو آپس میں ایک دوسرے کے دوست تھے اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے سوائے متقین کے۔ اے میرے بندو آج کے دن تم پر کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہو گے۔ (زخرف)

اور اس طرح آدمی کا انجام انہیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن کے ساتھ اس کے محبت کے تعلقات ہوں گے۔ یہاں تک کہ خدا کے لیے محبت کرنے والوں میں اگر ایک مشرق میں رہتا ہوگا اور دوسرا

مغرب میں تو خداوند تعالیٰ ان کو قیامت کے دن جمع کر کے کہے گا وہ شخص یہ ہے جس سے تو محبت رکھتا تھا۔

۱۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (عن ابی موسیٰ اشعری فی البخاری والمسلم بحوالہ ۱۸۲)

۲۔ لَوْ اَنَّ عَبْدَیْنِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَاحِدٌ فِی الْمَشْرِقِ وَاٰخَرُ فِی الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللّٰہُ بَیْنَھُمَا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَقُوْلُ ھٰذَا الَّذِیْ کُنْتَ تُحِبُّہٗ فِیَّ۔

وہ دن ایسا دن ہوگا جب قدموں تلے آگ اُبل رہی ہوگی اور سر کے اوپر آگ کا بادل ہوگا جس سے انگارے برس رہے ہوں گے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے سے آگ کی لپٹیں رخسار دل کو چھو رہی ہوں گی اور صرف ایک سایہ ہوگا جہاں انسان پناہ حاصل کر سکے گا اور وہ عرش الٰہی کا سایہ ہوگا۔ جو سات قسم کے آدمی اس دن اس سائے میں ہوں گے اُن کے بارے میں اللہ کے رسولؐ نے ہم کو خبر دی ہے اور بتایا ہے کہ ان میں:۔

رَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰہِ اجْتَمَعَا عَلَیْہِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْہِ (عن ابی ہریرۃ فی البخاری والمسلم بحوالہ ۶۹)

دو آدمی وہ ہوں گے جنھوں نے اللہ کے لیے آپس میں محبت کی اس کے لیے جمع ہوئے اور اس کے لیے علیحدہ ہوئے۔

اور ان پر خدا کی رحمت ہو کہ انھوں نے ہم تک اللہ کا یہ فرمان بھی پہونچایا کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِیَّ؟ بِجَلَالِیْ اَلْیَوْمَ اُظِلُّھُمْ فِیْ ظِلِّیْ۔ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ۔ (عن ابی ہریرۃ فی المسلم بحوالہ ۴۲۵)

اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا کہاں ہیں وہ جو میری عظمت کی وجہ سے آپس میں محبت کرتے تھے۔ آج کے دن میں انہیں اپنے سائے میں جگہ دوں گا، اور آج کے دن سوائے میرے سائے کے کوئی سایہ نہیں ہے۔

اور ان کے لیے وہ کیا ہی بلند درجات ہوں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ:۔

اَلْمُتَحَابُّوْنَ بِجَلَالِیْ لَھُمْ مَنَابِرُ مِنْ نُوْرٍ یَغْبِطُھُمُ النَّبِیُّوْنَ وَ الشُّھَدَاءُ	جو میری عظمت کی خاطر آپس میں محبت کرتے ہیں ان کے لیے آخرت میں نور کے منبر ہوں گے اور اور انبیاء و شہداء ان پر رشک کریں گے۔

(عن معاذ بن جبل فی الترمذی ص۲۳۶)

اللہ کے لیے اور ایمان کی بنیاد پر باہم بہ گہرے مستحکم اور محبت کے جذبات سے لبریز تعلقات اسلامی تحریک کے لیے اتنے اہم ہیں کہ ان کی خرابی کو انتہائی تشویش کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ انقطاعِ تعلق کے بارے میں جو سخت تنبیہات آئی ہیں، باہم صلح کرنے اور کرانے کے لیے جو وعدے آئے ہیں اور تعلقات خراب کرنے والوں کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس پر تفصیلی گفتگو تو آگے آئے گی لیکن یہ بات ذہن میں رہنا ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی تعلقات کی خرابی اور بُغض کو ایک ایسے اُسترے سے تشبیہ دی ہے جو پورے دین کو مونڈ کر صاف کر دے۔ .... ھِیَ الْحَالِقَۃُ لَا اَقُوْلُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰکِنْ تَحْلِقُ الدِّیْنَ (عن ابی درداء فی احمد و ترمذی ص۳۲۵) (م)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تعلق کے اثرات کتنے ہمہ گیر ہوتے ہیں جو لوگ بھی خلوص دل سے اس دین سے منسلک ہوں گے اُن کے قلب سے اپنے ساتھیوں کے لیے لازماً محبت کے چشمے اُبلنے لگیں گے اور یہ تعلق انہیں اتنا عزیز ہوگا اور ان کے سینوں میں اس کی اتنی قدر و قیمت ہوگی کہ وہ کوئی نقصان بھی برداشت کرلیں لیکن اس کا زیان برداشت نہ کریں گے۔

اسلامی تحریک کے کارکنوں کا یہ باہمی محبت الفت اور پیار کا تعلق وہ تعلق ہے جسے اللہ تعالےٰ نے اپنے عظیم ترین انعامات میں سے شمار کیا ہے اور جس اسلامی جماعت کو یہ نعمت مل جائے اس پر اس کا بڑا خاص فضل و کرم ہے۔ کیونکہ یہ تعلق ہی جماعت کی زندگی اور حرارت کا ضامن ہے اور افراد کو وہ ماحول دیتا ہے جس میں وہ ایک دوسرے کا سہارا بن کر راہِ حق کی منزلیں طے کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو نیکی کی راہ پر چلانے کے لیے مستقل کوشاں رہتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ کی اسلامی جماعت کو اللہ تعالیٰ نے باہمی اتحاد و محبت اور اخوت کی جو عظیم دولت بخشی تھی اس کی یاد دہانی سورۂ آل عمران میں کی گئی ہے اور اسکو

اپنی نعمت بنایا گیا ہے :-

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ	اور اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس
كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ	میں دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا
قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا	اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے ۔

(آل عمران - ۱۰۳)

پھر سورۂ انفال میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ روئے زمین کی ساری دولت خرچ کرنے کے بعد بھی یہ آپؐ کے بس کی بات نہ تھی کہ آپ مسلمانوں کے دلوں کو اس طرح الفت ومحبت کے رشتے میں جوڑ دیتے یہ صرف اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے ایسا کیا اور وہی ایسا کر سکتا تھا اس نے ایک دین دیا اور اس دین پر ایمان اور اس دین سے محبت کی توفیق دی اور اس کا نتیجہ ہے یہ پیار ومحبت۔

لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ أَلَّفَ بَيْنَهُمْ (انفال-۶۳)

حصہ دوم

سیرت کی بنیادی خصوصیات

باہمی تعلقات کا جو معیار اسلام نے مقرر کیا ہے، اسے قائم اور برقرار رکھنے کے لیے اللہ اور اس کے رسول نے حقوق وفضائل کا ایک ضابطہ بھی تجویز کر کے دیا ہے۔ اس ضابطہ پر عمل کر کے ان تعلقات کو بآسانی دین کے مطلوبہ معیار پر پہونچایا جا سکتا ہے لیکن اس ضابطہ کی اساس چند بنیادی امور پر قائم ہے جنھیں اگر انسان اپنی سیرت میں اختیار کرے تو ان حقوق وفضائل میں سے ایک ایک چیز ان بنیادی صفات کے منطقی نتیجہ کے طور پر ظہور پذیر ہوتی چلی جائے گی۔ یا یوں کہیے کہ پھر یہ صفات آدمی کے اندر سے ایک ایک حق کو

ادا کرنے اور ایک ایک فضیلت کو اختیار کرنے کے لیے تقاضا اور مطالبہ کریں گی اور پھر قدم قدم پر نصیحت یا تنبیہ کی ضرورت نہ پڑے گی۔

سب سے پہلی اور بنیادی چیز خیر خواہی ہے۔

خیر خواہی

خیر خواہی کے لیے احادیث میں جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ "نصیحت" ہے اور یہ لفظ اپنے دامن میں بڑے وسیع معانی سمیٹ لیتا ہے۔ اسی لیے زبانِ رسالت نے یہاں تک ارشاد فرمایا کہ:۔

اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ (ثلاثا) دین سراسر خیر خواہی ہے (تین بار) (مسلم ۱/ ص۵۴)

پھر مزید تشریح کے طور پر ان کے نام شمار کرائے گئے جن کے ساتھ خیر خواہی مطلوب ہے اور ان میں عامۃ المسلمین کا بھی ذکر ہے۔ اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے اپنے کچھ ساتھیوں سے عام مسلمانوں کے لیے خیر خواہی (نصیحت) کی بیعت لی۔ لغوی معانی کی روشنی میں اس لفظ کا مفہوم یہ ہے کہ تعلق میں کھوٹ نہ ہو۔ دوسرے الفاظ میں ہم اس صفت کو اس طرح متعین کر سکتے ہیں کہ آدمی کے اوپر ہمیشہ اپنے بھائی کی بھلائی و بہتری کی فکر ہی غالب رہے۔ اسی کی بہتری کے لیے سرگرداں ہو۔ اور ہر پہلو سے اس کو فائدہ پہونچانے کی کوشش کرے۔ اس کا کوئی نقصان کوئی تکلیف گوارا نہ ہو اور دنیوی یا دینی جس پہلو سے اس کو مدد پہونچا سکتا ہو اس کی کوشش کرے۔ اس خیر خواہی کا اصل معیار یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اس لیے کہ آدمی خود کبھی اپنی ذات اور اپنے نفس کا برا نہیں چاہ سکتا بلکہ وہ اپنے لیے زیادہ سے زیادہ نفع، بھلائی اور بہتری کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ وہ اپنے نفس کے حقوق میں کمی نہیں گوارا کر سکتا۔ وہ اس کے فائدہ کے لیے مال اور وقت خرچ کرنے میں دریغ نہیں کر سکتا۔ وہ اس کی برائی نہیں سن سکتا۔ وہ اس کی بے عزتی گوارا نہیں کر سکتا اور وہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ رعایتوں کا طالب ہوتا ہے بس خیر خواہی کے معنی یہی ہیں کہ آدمی کی سیرت میں یہ صفت پیدا ہو جائے اور اس کا رویہ اس طرز پر نشو و نما پائے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

مومن کے کردار کی اس صفت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کی ایک لازمی شرط ٹھیرایا ہے

اور فرمایا ہے کہ :-

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ عَبْدٌ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے کہ کوئی بندہ مومن نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ نہ پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

پھر اسی طرح ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر جو چھ اہم حقوق بتائے گئے ہیں ان میں اس خیر خواہی کو ایک حدیث میں اس طرح بیان کیا گیا ہے :-

...... وَیَنْصَحُ لَہٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَہِدَ ......

...... کہ وہ اپنے بھائی کی خیر خواہی کرے خواہ وہ غائب ہو یا موجود ہو ......

اور دوسری حدیث میں یہی بات یوں کہی گئی ہے کہ مسلمان کے مسلمان پر چھ حقوق ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ :-

وَیُحِبُّ لَہٗ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

وہ اس کے لیے وہی چیز پسند کرے جو اپنے لیے کرتا ہے۔

آگے چل کر ہم دیکھیں گے کہ خیر خواہی کی یہ صفت اپنے دامن میں کتنے حقوق و فضائل سمیٹ لیتی ہے جو براہِ راست اس کے لازمی تقاضے کے طور پر وجود میں آتے ہیں۔

(باقی)